فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ
ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ

سلسلہ خطبات غربیہ ۴

دہریوں اور ملحدین کو خطاب

بتفصیل ذیل

(۱) اسلام اور عیسائیت کے بنیادی اصول اور اُنکا مقابلہ۔ کیمبرج کا وہ مشہور و معروف لیکچر جو ملحدین کی ایک کلب کی فرمائش پر طلبائے کیمبرج یونیورسٹی کو دیا گیا

(۲) دہریوں کے لیئے ایک دلچسپ مطالعہ (الف)

(۳) دہریوں کے لیئے ایک دلچسپ مطالعہ (ب)

نوٹ۔ دوسرا تیسرا لیکچر مسجد ووکنگ میں اتوار کے خطبات میں بعض خواتین کی فرمائش پر دیا گیا۔

از

خواجہ کمال الدین بی اے ایل ایل بی مسلم مشنری ووکنگ انگلستان

مطبع یونین سٹیم پریس لاہور میں چھپکر شائع ہوا

قیمت فی جلد (۵) .... تعداد (۱۰۰۰)

خطبات غربیہ

قیمت فی خطبہ صرف ۵ر محصولڈاک بذمہ خریدار ہوگا

مصنفہ

جناب خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی مسلم مشنری اڈیٹر اسلامک ریویو مجریہ ووکنگ لنڈن۔ یہ وہ معرکۃ الآرا خطبے ہیں۔ جو جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے اپنے قیام لنڈن میں ناآشنایان اسلام کو اسلام سے معرف کرانے اور ان پر حقانیت اسلام متحقق کرنے کیلئے انگلستان۔ فرانس اور سکاٹ لینڈ کے مختلف مقامات پر خطبوں لیکچر اور تقریروں کی شکل میں دئے۔ اسکے پڑھنے سے ہر ایک شخص نہ صرف اسلام کی خوبیوں اور اس کے اصولوں سے واقف ہو جاتا ہے بلکہ دیگر مذاہب کے مقابل اسے اسلام کی افضلیت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ ان خطبوں میں سے چند خطبات ہم نے بعض احباب کی بار بار فرمائش پر سلیس اردو میں ترجمہ کرائے ہیں۔ ان خطبات کے مضامین کے لحاظ سے انہیں چھ حصوں میں حسب ذیل نام سے ترتیب دیا

(۱) سلسلہ خطبات غربیہ نمبر۱۔ موسوم بہ مسجد ووکنگ کے ابتدائی خطبات۔

(۲) سلسلہ خطبات غربیہ نمبر۲۔ موسوم بہ۔ توحید الٰہی۔ دعا اور تصوف۔

(۳) سلسلہ خطبات غربیہ نمبر۳۔ موسوم بہ خطبات عیدین۔

(۴) سلسلہ خطبات غربیہ نمبر۴۔ موسوم بہ دہریوں اور ملحدین کو خطاب۔

(۵) سلسلہ خطبات غربیہ نمبر۵۔ موسوم بہ اسلام اور دیگر مذاہب۔

(۶) سلسلہ خطبات غربیہ نمبر۶۔ موسوم بہ حقوق نسواں۔

نوٹ۔ آیندہ انشاء اللہ یہ سلسلہ جاری رہیگا۔ مسلسل خطبات اردو میں شائع ہوتے رہینگے۔ جو احباب مستقل طور پر انکے خریدار ہونا چاہیں۔ ازراہ کرم بذریعہ کارڈ مطلع فرما دیں۔ تاکہ جب کبھی اسی سلسلہ میں کوئی نیا خطبہ شائع ہو۔ تو ان کی خدمت میں ارسال کر دیا جاوے۔

المشتہر

مینجر اشاعت اسلام بک ڈپو عزیز منزل نولکھا لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

(سلسلہ خطبات غربیہ نمبر ۵)

دہریوں اور ملحدین کو خطاب

اسلام اور عیسائیت کے بنیادی اصول

اور

اُن کا مقابلہ

کیمبرج کا وہ مشہور و معروف لیکچر جو ایک ملحدین کی کلب کی فرمائش پر طلبائے کیمبرج یونیورسٹی کے روبرو دیا گیا۔

جناب پریزیڈنٹ صاحب لیڈیز اور جنٹلمین سب سے پہلے مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔ آپ نے مجھے یہ عزت دی ہے۔ کہ آپ جیسی معقول پسند لوگوں کو خطاب کرنے کا مجھے موقعہ ملا ہے۔ ایک طرح مجھے اُن اصولوں سے بھی ہمدردی ہے جواب

کی کلب کے محرک ہیں۔ اس کلب کی بنیاد آخر اُن تقاضوں پر رکھی گئی ہے جو ہم میں ہمارے عقل اور قوت استدلال نے پیدا کر رکھے ہیں۔ اور انسان آخر معقول پسند وجود بنایا گیا ہے۔ ہم بعض بظاہر فوق العقل باتوں کو مان بھی سکتے ہیں لیکن جو باتیں عقل سے ہی خارج ہوں۔ وہ کوئی کس طرح مان سکتا ہے۔ مَیں یہ تو قبول کر سکتا ہوں۔ کہ ہم میں سارے کے سارے ہر ایک امر کو عقل و استدلال کی بنیاد پر سمجھنے کے قابل بھی نہیں ہوتے لیکن کسی کا کیا حق ہے کہ ہم سے بعید از عقل امور۔ یہ کہہ کر کہ یہ راز ہیں۔ منوانے کی کوشش کرے خصوصاً ایسے تراشیدہ اصول ہم کیوں تسلیم کریں۔ جن کا زندگی پر بھی کوئی اثر نہ ہو آخر مذہب ہے کیا؟ ایک دستور زندگی؛ جو ہمیں نفع رساں۔ جو ہمارے قویٰ اور ہماری استعدادوں کی تہذیب تعدیل اور نشو و نما میں ممد ہو۔ بیشک ہمیں یہ ایسے عقاید کا رکھنا تعلیم کرے۔ جو ہمیں اُس دستور زندگی کے اختیار کرنے کے لئے تحریک کر دیں۔ بیشک مذہب ہم کو بعض روزانہ اعمال کی ہدایت کرے۔ جو ہمیں اُس دستور زندگی کے لئے تیار کریں۔ ان امور کے علاوہ اگر مذہب مجھے تعلیم کرنا چاہتا ہے۔ تو میں اس مذہب کا کبھی قایل نہیں ہوا۔ مجھے تو ایسا مذہب نہیں چاہیے۔ جو مجھے باتیں تو وہ منوائے کہ جن کا اثر میری زندگی پر نہ ہو۔ اور روز مرہ زندگی کے آئین و دستور کے لئے مجھے مجھ پر چھوڑ دے۔

صاحبان! مجھے یہ کہنے کے لئے آپ معاف فرمائیں۔ کہ اس سیلاب

تصانیف کے ہونے پر بھی جو یہاں مطابع سے نکلتا ہے۔ ایسا ہی حصول علم کی اُس سچّی خواہش پر بھی جو مغرب میں نظر آتی ہے۔ اسلام اس وقت بھی غلط واقفیت یا غلط بیانی کے پردہ میں مستور ہے۔ بدقسمتی سے ریشنلزم (مذہب معقولین) نے خدا کا مفہوم مغرب کے مروّجہ عقائد سے لیا۔ اور یہ امر طبعی تھا۔ کہ وہ مذہب اور خدا سے بیزار ہو جاوے۔ خود میری رائے لے لیجئے۔ مَیں مُنکر ہستی باری تعالیٰ ہونا اُس خدا پر ایمان لانے سے بہتر سمجھتا ہوں جس کے اوصاف و اخلاق کا ظہور چرچ نے دکھلایا ہیں اور صلیب پر ہوا۔ میں اس عرفان کے مقابل تذبذب و تشکک کو زیادہ ترجیح دیتا ہوں۔ جو یورپ میں علم الہٰیات کی بعض کتابوں میں تعلیم ہوتا ہے۔ لیکن آپ یقین کر لیں۔ کہ اسلام اور مقدس کتاب اسلام یعنی قرآن نے مجھ پر مذہب کی ضرورت روشن کر دی ہے۔ یہ مجھ پر ثابت ہوا ہے۔ کہ اگر مَیں سوسائٹی کا مفید ممبر بننا چاہوں۔ یا ایک اچھا اہل شہر بننا پسند کروں تو پھر مجھے کسی خاص آئین و دستور کی بھی ضرورت ہے مجھے چند ایسے عقائد کی بھی احتیاج ہے۔ جو اُس آئین و دستور پر چلانیکی تحریک کریں۔ کیونکہ ہمارے کل کے کل کاروبار و اعمال کسی نہ کسی ایمان و یقین پر مبنی ہوتے ہیں۔ آج آپکا یہ یقین و ایمان۔ کہ میں یہاں کچھ بیان کرونگا۔ آپکو یہاں لے آیا ہے۔ ایسا ہی مجھے بعض روزانہ مشقوں اور عملوں کی بھی ضرورت ہے جو مجھے اُن عقائد سے ملحق کر دیں اور مجھے آئین زندگی پر چلنے کے قابل کر دیں۔ القصّہ میں ایک قانون یا شریعت کا محتاج ہوں جسپر چلنے سے میرے مضمر قویٰ فعل میں آجاویں اور میری استعدادیں ظہور پذیر ہو جاویں۔ اور میں اسلئے اُن اعمال و عقائد کو بھی چاہتا ہوں جو مجھے اُس شریعت اور قانون پر قائم کر دیں ۞

پھر آج کا لکچر جیسے مجھے بتلایا گیا ہے۔ اسلام اور عیسائیت کے اصول کا تقابل چاہتا ہے۔ اس لئے میرے موضوع سے شاید یہ دور ہو کہ میں اُس مذاہب کے متقابلہ عقاید پر کوئی سلسلہ دلایل شروع کردوں۔ ہاں میں نے استدلال کو اُس حد تک بڑھایا ہے۔ جو میرے بیان کے واضح اور روشن کرنے کے لئے ضروری ہوں۔ مسلمان اور عیسائی دونوں ہستی باری تعالیٰ کے قایل ہیں۔ میں اس بنیاد پر چلوں گا۔ اور حتی الوسع سادے سادے واقعات بیان کرنے پر قناعت کرونگا۔ ان مبادی باتوں کے بعد اب میں اپنا لیکچر شروع کرتا ہوں میرے لیکچر کا عنوان ہے

اسلام اور اصول اسلام

اور

ان کا مقابلہ عیسائیت سے

اسلام اپنے لفظی معانی اور اس مفہوم کی رو سے جو ہماری مقدس کتاب یعنی قرآن نے اسلام کو دیا ہے۔ شریعت و قوانین کی کامل اطاعت کا نام ہے۔ اور اگر صحیفہ قدرت اپنے تمام افعال و مظاہر کے ساتھ اُس عقل عظیم اور اُس لاانتہا ابدی طاقت کی منشا کا جس سے بقول حکیم ہربرٹ سپنسر کل اشیاء نکلی ہیں۔ ایک قابلِ اعتبار آئینہ ہوسکتا ہے۔ اور ایسا ہی اگر یہ

صحیفہ فطرت زندگی کو اختیار کرنے میں ہمارا عمدہ رہنما ہو سکتا ہے۔
تو آپ یاد رکھیں۔ کہ اسلام یا اطاعت قوانین کے علاوہ یہ آپ کو کسی اور مذہب
کے اختیار کرنے کی سفارش نہیں کریگا۔ آپ ذرا صحیفۂ قدرت کا تو مطالعہ کریں
خواہ بالکل سرسری نگاہ سے ہی۔ آپ کو ایک ذرہ بھی ایسا نظر نہ پڑے گا جو
لاتبدیل مقررہ قوانین کی اطاعت میں نہ لگا ہو۔ بلکہ کل کے کل عناصر عالم کا
وجود خود اور ایسا ہی اُن ذرّات کا ایک دوسرے کے لئے مفید و خادم ہونا
جن پر کل کائنات کا ہم آہنگ ہونا حصر رکھتا ہے۔ یہ سب کا سب کھیل قطعاً اس
بات پر حصر رکھتا ہے۔ کہ ہر طرف مقررہ قوانین کی اطاعت ہو رہی ہے۔ ایک
منٹ کے لئے آپ فرض کرلیں۔ کہ کائنات کے کسی ذرہ جمقدار نے اپنا فعل
کرنا چھوڑ دیا۔ اس کا آخری نتیجہ کل کائنات کی تباہی ہوگی۔ آپ ذرا سورج
کو چاند کو ستاروں کو دن رات۔ موسم۔ درخت۔ سمندر وغیرہ کو دیکھیں۔ کون
ہے۔ جو ایک نہ ایک قانون کے ماتحت نہیں۔ اور جس قانون کی وہ کامل اطاعت
نہیں کر رہا۔ اور مجھے تو دنیا کی تاریخ میں ایک بھی دن یاد نہیں۔ جب کہیں
قانون مقررہ کی خلاف ورزی ہوئی ہو۔ بس اسی کا نام اسلام ہے۔ اور خدا
کی کتاب قرآن نے جو اپنی صداقتوں کو مبرہن کرنے کے لئے صحیفہ قدرت کو
یعنی قول الٰہی کی تصدیق میں فعل الٰہی کو شہادت میں لاتی ہے۔ اس حقیقت
اسلام کے روشن کرنے کے لئے بھی نہایت ہی حقیقت نما رنگوں میں وہی

بات کہتی ہے۔ جو میں نے ابھی عرض کی ہے۔ جس سے نہ ہم پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہم کو اسلامی شعار کی کس قدر ضرورت ہے۔ بلکہ غیر اسلامی طریق زندگی اختیار کرنے پر ہمیں نتائج بد سے بھی روکا گیا ہے۔ وہ امر ذیل کی آیات سے ظاہر ہوتا ہے:-

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ..... أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ..... وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ۝ لَا الشَّمْسُ يَنبَغِي لَهَا أَن تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۝ ..... وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝

ترجمہ۔ بات تو یہی ہے کہ خدا اگر کوئی دین ہے تو اسلام یعنی الٰہی قوانین کی اطاعت کیا یہ لوگ اس دین الٰہی کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں۔ دیکھتے نہیں جو زمین آسمان میں ہے طوعاً کرہاً۔ خدا کی رضا پر چل رہا ہے۔ اور پھر ان سب کا آخری رجوع بھی اسی طرف ہوتا ہے۔ سورج کو نہیں دیکھتے۔ اپنے سب کے سب نظام شمسی کو لئے کسی خاص جائے قرار کی طرف جارہا ہے۔ یہ جائے قرار بھی تو عزیز علیم

خدا ہی کا مقرر کردہ ہے۔ کیا چاند کے لئے بھی ہم نے مختلف منازل مقرر نہیں کر دئے۔ جن میں سے گذر کر آخر پھر یہ کھجور کی ٹیڑھی پتلی شاخ بن جاتا ہے۔ بھلا سورج کی مجال ہی کیا ہے۔ کہ چاند کی راہ میں آجاوے۔ یا رات کبھی دن پر سبقت کرلے۔ یہ تو کل کے کل اپنے مقررہ راہوں پر چل رہے ہیں۔ یہی اسلام ہے۔ اچھا! اب کوئی اور راہ اسلام کے ماسوا اپنے لئے تجویز کرلو۔ یہ کہاں قبول ہو سکتا ہے۔ ہاں انجام اس کا نقصان ہے ؛

صاحبان! اس طرح بالفاظ قرآن ہم دیکھتے ہیں۔ کہ کل ذرہ ذرہ کائنات کا دیگر عناصر کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر مقررہ قوانین کی اطاعت میں لگا ہوا ہے۔ اب کیا انسان جو صنعت قدرت کا آخری کامل مکمل نمونہ ہے۔ اُنہیں ذرات کا مجموعہ نہیں۔ کیا انسان ایک قسم کا عالم صغیر نہیں۔ کیا میں یہ سمجھ لوں۔ کہ یہ مختلف ذرات جو جمع ہو کر انسان کو جسم اور روح بخشتے ہیں۔ وہ اس مجموعی حیثیت میں اپنے خواص بدل گئے ہیں۔ آؤ ہم اپنے ہی اعضا جوارح۔ عضلات۔ رگ پٹھے کا مطالعہ کریں۔ کیا وہ سب کے سب مقررہ آئین پر نہیں چل رہے۔ کیا یہ سب کے سب ہماری خواہشات اور احکام کو نہیں مانتے۔ بشرطیکہ ہم مقررہ طریق پر اُن سے کام لیں۔ ہاں اگر وہ مقررہ طریق کے خلاف کسی کام پر لگائے جاویں۔ تو پھر یہ اطاعت کرنی چھوڑ دیتے ہیں۔ آپ دیکھنا چاہتے ہیں۔ آنکھ آپ کی غلام ہے۔ آپ سننا چاہتے

ہیں۔ کان آپ کے خادم ہیں لیکن کیا آپ آنکھ سے سُن سکتے ہیں یا کان سے دیکھ سکتے ہیں۔ آج اپنی آنکھ سے کسی ذایقہ کو تو چکھنے کی کوشش کرنا یا پیاس بجھانے کے لئے پانی کان میں ڈال لینا۔ تمہاری طبیعت کا تقاضا اور خواہش تو کیا پوری ہوگی۔ ہاں اپنے اعضاء اور قویٰ کو ضرور کھو بیٹھو گے۔ اور نقصان اُٹھاؤ گے۔ دیکھو یہ تو وہی بات ہے۔ جو ہیں نے قرآن سے پڑھی +

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْناً۔ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ ج وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔ "اگر اسلام یعنی اطاعتِ قوانین الٰہیہ کے سوا کوئی اور طریق اختیار کر لیا۔ تو مقبول تو ہونے سے رہا۔ انجام کار نقصان بالضرور ہوگا" ہم تو فطرتاً اطاعت و اتباع قوانین پر قایم کئے گئے ہیں۔ ہمارے تو قویٰ کا نشو و نما ہی قوانین کے چلنے پر حصر رکھتا ہے۔ اسی صداقت کی طرف قرآن کے ذیل کے الفاظ اشارہ کرتے ہیں +

فِطْرَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا۔ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ط ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ "شریعت کی اطاعت، تو خدا کی دی ہوئی فطرت ہے۔ اور اسی فطرت پر انسان بنایا گیا ہے۔ خدا کی خلقت میں تو تبدیلی ہو ہی نہیں سکتی۔ بس سُن لو۔ یہی مضبوط مذہب اور دین ہے۔ فطرتاً ہم پابندی قوانین کے قابل ہیں۔ اور اسلام کا یہ وہ بنیادی اصول ہے۔ جس سے

اسلام کو عیسائیت کی موجودہ شکل سے تخالف ہے۔ میں نے موجودہ شکل اس لئے کہا۔ کیونکہ خود جناب مسیح نے تو ان اصولوں کی تعلیم نہیں کی تھی جو اُس کے بعد کلیسیا نے تراش لئے۔ جناب مسیح تو ایک سچے مسلمان تھے انہوں نے تو صاف اور غیر مبہم الفاظ میں اپنے حواریین کو یہی اسلام سکھلایا جن کی تشریح اس وقت کر رہا ہوں۔ اُس کے متعلق شاید اُن کے یہ الفاظ ہیں:۔

"مت خیال کرو کہ میں قوانین کو توڑنے آیا ہوں یا پیغمبروں کے خلاف کرنے آیا ہوں۔ میں شریعت کو برباد کرنے نہیں آیا۔ شریعت کو پورا کرنے آیا ہوں۔ میں تمہیں کہتا ہوں۔ جب تک زمین و آسمان نہ۔ ٹل جاوے۔ شریعت کا ایک ذرہ بھی نہ ٹلے گا۔ جب تک پورا ہو کر نہ رہے۔ لہذا جو تم میں سے قانون کو ذرا بھی توڑتا ہے۔ یا لوگوں کو ایسا سکھلاتا ہے۔ وہ خدا کی سلطنت میں چھوٹا ہے۔ اور جو شریعت کو پورا کرے گا۔ یا لوگوں کو سکھلائے گا۔ وہ خدا کی سلطنت میں بڑا کہلائیگا"۔

یہ تو جناب مسیح نے سکھلایا۔ ہاں وہ رخصت ہوئے۔ تو میاں پولوس اور کلیسیا میں اس کے متبعین نے یہ تعلیم دینی شروع کی۔ کہ ہم قوانین پر چل ہی نہیں سکتے۔ گناہ جو خلاف ورزی قانون کا نام ہے۔ یہ تو ہماری

فطرت ہے۔ ہمارا ورثہ ہے۔ اور جب یہ صورت ہے۔ تو خداوند کا عدل ہم کو سزا سے کب چھوڑ سکتا ہے۔ جب تک کوئی کفارہ کی تجویز نہ ٹھیرے۔ اور کفارہ پھر وہ ہو۔ جو ہماری طرح کی فطرت کا نہ ہو۔ بلکہ معصوم فطرت کا ہو۔ اور وہ تو پھر خدا ہی ہے +

عیسائی مذہب کے کل کے کل اصولوں کی بنیاد اسی طرح یہی ایک اصول ہے۔ کہ گناہ یعنی خلاف ورزی قانون ہمارا ورثہ اور فطرت ہے۔ لہذا پابندی قانون کے لئے ہماری ناقابلیت کا عقیدہ تو جڑ ہے۔ اور باقی دیگر عقاید عیسویت اسکی شاخیں۔ مَیں عیسائی الہیات کی معقولیّت کو زیر جرح لانا نہیں چاہتا۔ مَیں اس کو اسکی موجودہ شکل میں ہی قبول کرلیتا ہوں۔ ہاں مَیں آپ کی اجازت سے ایک بات آپ کو سمجھاتا ہوں۔ کیا یہی خدا کا عدل جو کفارہ چاہتا ہے۔ مجھے ہر قسم کی سزا سے بری الذّمہ نہیں کردیتا۔ صاحبان۔ کیا آپ ازروئے عدل و انصاف اپنے نوکر کو ایسے فعل کے نہ کرنے پر مارینگے۔ جس فعل کے کرنے کی اُس میں استعداد ہی نہیں۔ کیا آپ اپنے خادم کو ایسے امر کے نہ کرنے پر سزا دیں گے۔ جس سے وہ فطرتاً نہیں رُک سکتا۔ کیا جناب والا آپ اپنے کتّے کو ماریں گے۔ کہ اُس کی چھاتیوں سے عمدہ دودھ نہیں نکلتا۔ کیا اپنی بلّی کو زدوکوب کرینگے۔ کہ کیوں آج اُس نے آپ کو اچھّی سواری نہیں دی۔ کیا آپ گائے کو ہنٹر رسید کریں

گے کہ وہ گھاس کیوں کھاتی ہے۔ کیا آپ اپنی بھیڑ پر ناراض ہونگے۔ کہ کیوں مزیدار سُریلا گانا وہ نہیں گاتی۔ یا آخر میں آپ بندروں کے جوڑے پر ناخوش ہونگے۔ کہ کیوں وہ نر مادہ مل کر نہیں ناچتے۔

نہیں صاحب۔ نہیں۔ آپ عقلمند ہیں۔ ایسا ناقابلِ عفو فعل آپ سے کب ہو سکتا ہے۔ آپ کا عدل و انصاف تو شاید اس قدر بھی گوارا نہ کرے کہ معمولی سے معمولی تنگ مزاجی کا اظہار آپ کسی پر ایسے امر کے نہ کرنے سے کریں۔ جو فطرتاً اُس سے ہو نہ سکتا تھا۔ اور اگر یہ بات درست ہے۔ تو کرم! اگر کلیسیا کے اصولوں کا ماننا میری نجات کے لئے ضروری ہے۔ تو کیا مَیں خدا کی عقل و انصاف کو اپنے عقل و انصاف سے بھی کم سمجھوں۔ بلکہ خدا کو تو ایک اور فضیلت مجھ پر ہے۔ وہ تو میرا خالق بھی ہے اور علیم بھی ہے۔ کیا جو کچھ نقص بھی میری فطرت میں ہیں۔ وہ بحیثیت خالق ہونے کے خود ہی ان کا ذمہ وار نہیں۔ وہ میرا بنانے والا ہے۔ کیا اُس کو علم نہیں کہ مجھ میں کیا استعداد ہے۔ اور کیا استعداد نہیں۔ کونسا انصاف اور کونسی شرافت اس کو اجازت دیگی۔ کہ وہ مجھ سے ان باتوں کی توقع رکھے جس کے لئے مَیں بنایا ہی نہیں گیا۔ جب وہ جانتا ہے کہ مَیں کیا ہوں۔ جب وہ خود ہی میری اُس خلقت کا ذمہ وار ہے۔ جو مجھے شریعت پر چلنے کے قابل نہیں رکھتی۔ تو پھر یہ کہاں کی شرافت ہے کہ وہ شریعت

میرے لئے تجویز کرتا ہے *

اسی طرح صاحبان۔ عیسائیت دو کونوں کو ملانے والے عنکبوتی پل پر معلّق ہے۔ اگر انسان شریعت کی پابندی کر سکتا ہے۔ اور دوسروں کو ایسا سکھلا سکتا ہے۔ تو پھر خدا کی سلطنت میں داخل ہونے کا وعدہ صرف اسی ایک بات پر جناب مسیح دے چکا ہے۔ جیسے کہ میرے اقتباس کردہ الفاظ تھے پھر انسان کو کفارہ کی ضرورت نہیں۔ جب میں شریعت پر چلنے کے قابل ہی نہیں۔ تو پھر خدا اگر عادل ہے۔ تو وہ کس عدل کے رو سے مجھے سزا دے سکتا ہے۔ پھر کفارہ ایک فضول امر ہے۔ دوسری طرف اسلام جس کے معنے ہی کامل پابندی قوانین ہے۔ ہم کو تعلیم دیتا ہے۔ کہ انسان اپنے اندر اعلیٰ سے اعلیٰ استعدادیں اور قابلیتیں رکھتا ہے۔ جن کو فعل میں لا کر وہ اپنی نجات حاصل کر لیتا ہے۔ صاحبان بہشت اسلامی اصطلاح میں بعد الموت انسان کی اُس حالت کا نام ہے جب اس کے کل قویٰ اور استعدادیں مکمّل نشو و نما پالیں۔ ایسا ہی جب مرنے پر انسان کی اخلاقی اور روحانی قوتیں بلا تعدیل و تہذیب حالت میں رہیں۔ تو وہ اپنی دوزخ اپنے کندھوں پر ساتھ لے جاتا ہے۔ قرآن کی تعلیم کے مطابق تمہارا بہشت اور تمہارا دوزخ تمہارے ساتھ اور تمہارے اندر ہے۔ جو بعد میں حس و تشکل کے ماتحت ہو سکتا ہے *

اب میں آپ سے ایک اور امر دریافت کرتا ہوں۔ اگر آپ دیکھتے ہیں کہ ہم اس زندگی میں بھی مکافات عمل بھوگتے ہیں۔ اگر آپ دیکھتے ہیں۔ کہ نادر حالات کے سوا ہم خود ہی اپنی خوشی اور تکلیف کے ذمہ وار ہیں۔ لہذا جب ہمارا کوئی فعل بھی پھل دئے بغیر نہیں رہتا۔ اور یہ پھل ضروری نہیں کہ فوراً ہی ملجاویں۔ بلکہ اکثر تو کچھ وقت چاہیں جب ہمارے اعمال کے پھل تیار ہوں اور خصوصاً اُن افعال و اعمال کے پھل جو کسی انسان سے اپنی موت سے کچھ ہی وقت پہلے سرزد ہوئے ہوں۔ اب اگر میں ان منطقی قضایا پر یہ نتیجہ مرتب کرنے کا حق رکھتا ہوں۔ کہ بعد الموت زندگی کے آپ قایل ہو سکتے ہیں۔ تو پھر قرآن نے انسانی استعدادوں کی تکمیل نمو کا نام بہشت اور اُن کے غیر طبعی اور نا تربیت و تعدیل یافتہ حالت کا نام دوزخ رکھا ہے +

مجھے اس سے انکار نہیں کہ انسان کا میلان طبع شریعت کے توڑنے کیطرف بھی ضرور ہے لیکن یہ رُجحان اس بات کا ثبوت نہیں کہ ہم میں پابندی شریعت کی استعداد نہیں۔ ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنکا اعلےٰ مشن نسل انسان کو معراج شرافت پر پہنچانا تھا۔ فرمایا ہے کہ ہر ایک بچہ بروقت ولادت مسلمان فطرت رکھتا ہے۔ یعنی پابندی شریعت کی استعداد ہوتی ہے۔ یہ تو اُس کے بعد کی نواحی حالات ہیں جو اُس اسلامی فطرت سے محروم کر دیتے ہیں۔ اور وہ قانون توڑنے لگتا ہے +

بہر حال اسلام اور عیسائیت میں فیصلہ کن امر یہ ہے۔ کہ آیا انسان سے قانون پر چلنے کی استعداد ظاہر ہوتی ہے یا نہیں۔ اگر ہم اپنی سوسائٹی کے

ڈھانچ اور اُس کے کاروبار پر سرسری نگاہ بھی ڈالتے ہیں۔ تو اس کا جواب اثبات میں ملتا ہے۔ کیا عجیب بات ہے۔ کہ اُنہیں قوموں نے علی الخصوص جو عیسائیت کو مانتے ہیں۔ اپنے روزانہ طریق عمل سے عیسائیت کے اِس بنیادی اصول کا بطلان کیا ہے۔ ہم مشرقی لوگ تو اُن تمام اغلال اور زنجیروں سے جو مغرب میں سوسائٹی کے تجویز کردہ رواج نے پیدا کر رکھے ہیں۔ بہت ہی آزاد ہیں۔ آپ میں سے تو قریباً ہر ایک کو بیشمار قواعد جو فیشن اور رواج نے پیدا کر رکھے ہیں۔ کپڑے پہنتے ہیں۔ کھانا کھاتے ہیں۔ چلتے پھرتے ہیں۔ پبلک کاموں میں ادا کرنے پڑتے ہیں۔ تمہارے تو روزمرہ کی کھیلیں اور دفع الوقتی یا تفریح کے اشتغال ضوابط اور قواعد کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اور کیا عجیب بات ہے۔ کہ تم یہ سارے کے سارے قواعد پابندی کے ساتھ ملحوظ رکھتے ہو لیکن جب مذہب کا سوال آتا ہے۔ تو پھر تم کچھ اَور اظہار کرتے ہو۔ آؤ میں آپ کو ذرا اُن قواعد و ضوابط کی طرف متوجہ کروں۔ جن کو ملک واضعان قوانین نے وضع کر دیا ہے۔ کیا تم میں سے اکثر عمدہ شہرت کی زندگی نہیں بسر کرتا۔ کیا آپ میں سے اکثر اُن قوانین پر نہیں چلتے۔ جو گورنمنٹ نے بنائے ہیں۔ مَیں مانتا ہوں کہ ابھی تک ہمارے بادشاہ جارج اس تعہد مہمانداری سے سبکدوش نہیں ہوئے۔ جو شاہی مہمانوں کی جیلخانہ کی چاردیواری

میں روزانہ اُن کے ذمّہ ہے لیکن لکھو کھا ہم میں سے ایسے ہیں۔ جو نہایت پابندی کے ساتھ فوجداری اور دیوانی قوانین کا لحاظ کرتے ہیں۔ آپ کسی فلسفۃ القانون کے فاضل سے دریافت کریں۔ اور وہ آپ کو بتلائیگا۔ کہ آپ کے یہ سارے قوانین اور ضوابط اور احکام اپنی ابتدائی شکل میں انہیں قوانین سے نکلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جو جناب موسیٰؑ اور اس کے متبعین کو ملے تھے۔ کیا ہی مزیدار امر ہے۔ اور سوچتے ہوئے بھی مزا آجاتا ہے۔ کہ اگر ہم چاہیں۔ تو ملک معظم کی سلطنت میں تو فرمانبردار اور قانون پر چلنے والی رعایا بن سکتے ہیں لیکن خدا کی سلطنت میں نہیں بنا جاتا۔ حالانکہ جو قوانین خدا کے تجویز کردہ ہیں۔ وہ زیادہ ترسہل۔ ہمارے حالات زندگی کے زیادہ ترمناسب اور طبعی بالمقابل اُن قوانین کے ہیں۔ جو ہماری سوسائٹی کی پیچیدگیوں نے ہم پر ڈال رکھے ہیں۔ اگر عیسائی کلیسیا کی تعلیم کو کم از کم اُس کے معلم سچ مانتے ہیں۔ تو کیا میں یہ یقین کرنے کی اجازت رکھتا ہوں۔ کہ مسیحی کلیسیا کے بڑے بڑے عماید اور بشپ فطرتاً جرایم پیشہ اپنے آپ کو سمجھتے ہیں۔ العیاذاً باللہ آپ کسی سوسائٹی کی پرداخت اور اُس کے ڈھانچ پر غور کریں۔ خواہ وہ سوسائٹی کیوں نہ ابتدائی حالت ہی میں ہو۔ وہ سوسائٹی چل ہی نہیں سکتی جب تک اس کے افراد میں اُن قوانین کے چلنے کا من سمجھوتہ نہ ہوجاوے جو جان اور مال کی حفاظت کے لئے بنائے گئے ہیں۔ اور کیا یہ قانون ین

بھی سکتے ہیں۔ جب تک قانون پر چلنے کی استعداد نہ ہو۔ اگر کوئی سمجھنا چاہے تو کیسی سیدھی باتیں یہ سمجھنے کو ہیں۔ پر یہ بات مجھے خود کبھی سمجھ نہیں آئی کہ کیوں عامہ زندگی میں تو ہم عقلمند نظر آتے ہیں۔ لیکن مذہبی معاملات میں عامہ عقل سے بھی ہمیں جواب دینے کو کہا جاتا ہے +

ہاں بیشک یہ مذہب کا اور ایسا ہی ہر سوسائٹی کا فرض ہے۔ کہ وہ قلب انسانی میں ایسی کیفیات پیدا کر دے جس سے انسان قانون کی عزت کرنے پر آمادہ ہو جاوے۔ عیسائیت کی بنیاد ہی ایک نرالے اصول پر رکھی گئی تھی۔ اس لئے اُس کو اور اصول وضع کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ کیونکہ میں نے ابھی دکھلایا ہے۔ کہ جس قدر عیسائیت کے دو چار اصول ہیں۔ وہ شاخیں اور فرع اُس ایک اصول کے ہیں۔ جس کے ماتحت گناہ یا قانون کا توڑنا۔ ہمارا ورثہ اور فطرت ہے۔ لیکن اسلام جس نے انسان کو شریف طبع اور شریف فطرت سمجھا ہے۔ اُس نے بعض اصول اور عقاید وضع کئے ہیں۔ جس سے انسان اپنی یہ شرافت فطرت قایم رکھ سکے۔ مگر پیشتر ازیں کہ میں اسلام کے اُن اصولوں پر کچھ روشنی ڈالوں۔ آپ مجھے اجازت دیں۔ میں اول تشریح و توضیح کے لئے اُن آپ کی انسٹیٹیوشن اور ضوابط کا کچھ ذکر کر دوں۔ جو نہ صرف اپنی بلکہ انسانی سوسائٹی کی حکومت و آئین نے سوسائٹی کے ہر مرحلہ۔ اپنی بہبودی اور

سوسائٹی کے چلانے کے لیئے ضروری سمجھے ہیں +

یہ امر صداقت اور حقیقت ہے۔ کہ قانون کے سوا چارہ نہیں۔ دو آدمی بھی تو اس تفہیم اور من سمجھوتہ کے سوا اکٹھے دو دن گزارہ نہیں کر سکتے۔ کہ وہ ایک دوسرے کے حقوق و فرایض کی عزت کرینگے۔ جان و مال کی حفاظت کرنا ہی تو ہر حکومت و آئین کا بنیادی پتھر ہے۔ اور باہمی حقوق و فرایض کی حفاظت تعدیل و تقسیم ہی قوانین کو عدم سے ہستی میں لاتی ہے۔ لیکن قانون پر لوگوں کو پابند کرانا بعض امور لازمی کو چاہتا ہے۔ سب سے پہلے قانون تب ہی عزت پاتا ہے۔ جب اس کا سرچشمہ وہ وجود ہو۔ جس کو ہم چشموں میں ایک قسم کا شا اقتدار خواہ رضامندی سے یا کسی اور طرح حاصل ہو چکا ہو۔ بادشاہ۔ پارلیمنٹ مجلس واضعان قوانین وغیرہ مختلف شکلیں اور صورتیں اس وجود کی ہیں جس کو ہم سرچشمہ قوانین لکھیں گے۔ لیکن یہ قانون کے سرچشمے آپ میں سے ہر ایک تک اپنے احکام اور قوانین پہنچا سکتے ہیں جب تک ان میں اور آپ میں کوئی بالواسطہ درمیانی وجود نہ ہوں۔ آپ اپنی سوسائٹی کو دیکھ لیں اُنہوں نے عملاً ایسے قوانین رساں کا وجود سرچشمۂ قوانین میں اور رعایا میں تسلیم کر لیا ہے۔ یہ قانون رسان قوانین کو رعایا تک پہنچاتے اور قانون کو شائع کرتے ہیں۔ سرچشمۂ قانون۔ قانون اور اشاعتِ قانون تو ہو گئی۔ لیکن قانون ابھی تک بے جان تحریر اور ناقابل عزت رہ گیا۔ جب تک ہم ایسے اصُول نہ

بنائیں۔ جس سے لوگ قانون کی عزت کریں۔ کسی قانون کی عزت نہیں ہو سکتی جب تک قانون توڑنے والوں کے لئے سزائیں تجویز نہ ہوں۔ صرف ایک یہ خیال کہ میرے اعمال کا ضرور محاکمہ ہوگا۔ اور میرے ثمرات میرے ہی اعمال پر مرتب ہونگے۔ ہاں یہی ایک بڑا خیال ہے۔ جو ہم میں سے اکثروں کو قانون پر چلنے کی تیاری پیدا کر دیتا ہے۔ اس لئے ہر ایک مہذب سائٹی نے نہ صرف قانون توڑنے والوں کے لئے سزائیں تجویز کی ہیں۔ بلکہ یہ بھی انتظام کیا ہے۔ کہ ایسے لوگ کسی جگہ لائے جاویں۔ اور وہاں ان کے اعمال کا محاکمہ بھی کیا جاوے۔ اور پھر محاکمہ کے بعد اُن پر سزا یا جزا مرتب ہو۔ یہ کل امور بیٹھے بٹھائے نہیں ہو جاتے۔ جب تک عمال ان قانون مقرر نہ ہوں۔ اور ہر ایک سوسائٹی نے پولیس جیلر۔ ناظر وغیرہ وغیرہ شکلوں میں یہ عمال مقرر کیئے ہیں۔ الغرض یہ چھ امور ہیں جس پر ہر ایک سوسائٹی کا ڈھانچ رکھا گیا ہے۔ اور ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ سے اعلیٰ سوسائٹی تک ان چھ امور کو قبول کیا ہے ؏

لیکن یہ سوسائٹی کی ایک قسم کی مشینری ہے۔ اس ساری مشینری کا چلنا کسی قوم کا مرفع الحال ہونا ایک اور بات پہ حصر رکھتا ہے۔ جب تک ہر ایک فرد اس فکر میں نہ ہو۔ کہ وہ اپنے ہر ایک فعل کا ذمہ وار ہے۔ اور سمجھ لے کہ اس کا ہر ایک فعل ایک نہ ایک نتیجہ پیدا کریگا۔ یعنی ہمارا یہ ایمان ہونا

چاہیے۔ اور جس قدر یہ ایمان مضبوط ہوگا۔ اسی قدر دُنیا میں نیکی پھیلے گی۔ اور بدی دُور ہوگی۔ اور وہ ایمان یہ ہے۔ کہ دنیا میں ہر ایک چیز علت اور معلول یا سبب اور نتیجہ کے رشتہ میں مربوط ہے۔ بدی کا نتیجہ بدی۔ اور نیکی کا نتیجہ لازماً نیکی ہے۔ یعنی اسباب اور نتائج میں ان ٹل رشتہ ہے۔ یہی ایک یقین ہے جو مجھے بدی سے بچا سکتا اور نیکی پر مائل کر سکتا ہے۔ جس کو انگریزی میں (Theory of Causation) یا نیکی اور بدی کے مقررہ اندازے کہتے ہیں +

الغرض اگر اس لازمی اصُول کو اُن چھ اصولوں کے ساتھ شامل کر دیا جاوے۔ جو ہر سوسائٹی کے روح و روان ہیں۔ تو یہ ذیل کی سات صداقتیں ہیں۔ جن پر سب کا عملاً ایمان ہے +

— واضع قانون یا سرچشمہ قانون۔ دوم عمالان قانون۔ سوم خود قانون۔ چہارم قانون رساں پنجم محاکمہ قانون ششم نیکی اور بدی کے ان ٹل اندازے اور مقیم قانون کے محاکمہ کے لئے حاضر ہونا +

صاحبانِ مجھے اب ایک ہی اور بات کہنی ہے۔ اور پھر میں آپ کو بتلاؤں گا۔ کہ اسلام نے کس طرح انہیں سات باتوں کو اپنے سات بنیادی اصول تعلیم دئے۔ اور قبول کئے ہیں +

اسلام آپ یاد رکھیں۔ کوئی مفروضہ یا تراشیدہ ایسے اصول نہیں سکھلاتا

کہ جن کے جاننے یا نہ جاننے سے انسانی جماعت کا نہ تو علم کم ہوا نہ زیادہ اور نہ اُسے فایدہ ہوا نہ نقصان ÷

اور یہ بھی آپ سن لیں۔ کہ اسلام نے تو ہم کو رسوم کی بوجھ سے نہیں دبایا ہے۔ اسلام تو روزانہ زندگی کا مکمل ضابطہ ہے۔ جس پر چل کر آپ دنیا کے مفید ممبر بن سکتے ہیں۔ ہاں یہ چند عقیدے بھی آپکو تعلیم کرتا ہے۔ جس سے آپ کو اس ضابطہ کے قبول کرنے کی ہدایت ہو۔ بعض روزانہ اعمال بھی ہمارے ذمے لگاتا ہے۔ جس سے وہ ضابطے اور وہ عقیدے رات دن آپکے نصب العین اور پیش نظر رہیں۔ عیسائیت کی طرح اسلام نے یہ تعلیم نہیں دی۔ کہ آیندہ زندگی کے خیال میں موجودہ زندگی کی پرواہ نہ کرو۔ نہیں نہیں اسلام کے نزدیک تو آیندہ زندگی بہتری یا بالعکس موجودہ زندگی کے اچھے بُرے ہونے پر منحصر ہے۔ قرآن کا یہ کہنا۔ کہ جو اس دنیا میں اندھا بنے گا۔ یا رہے گا وہ آیندہ اندھا ہی اُٹھایا جاویگا۔ ایک آیت میں ہزار جلد کی تفسیر رکھتا ہے کہ کس طرح اِس دنیا میں انسان کو بابرکت اور مفید ہونا چاہیئے۔ لیکن اب ایک اور بات بھی ہے۔ کہ انسان کا دل انسان کے افعال کا سرچشمہ نہیں کیا ہمارے ارادہ اور ہماری نیتیات جو ہمارے سینوں میں چھپی ہوئی ہیں قطعاً اور خالصتہً ہمارے کل کاموں کے ذمہ وار نہیں۔ کیا ہمارے اعمال کی تہذیب و تعدیل ہمارے دل کی تہذیب و تعدیل پر منحصر نہیں۔ کون نہیں

جاننا کہ کاموں کی پاکیزگی دل کی پاکیزگی سے پیدا ہوتی ہے۔ اور بد خیالات انسان کو بدی کا مرتکب کر دیتے ہیں۔ آپ کے عمال ان قوانین آپ کے محکمۂ ٹھگی ڈکیتی کے ممبر ۔ میرے اعمال کے ذریعہ میری نیتیات کو پڑھنے کی کوشش کریں لیکن کیا وہ میرے دل کے اندر جا سکتے ہیں۔ کیا وہ سمجھ سکتے یا دیکھ سکتے ہیں کہ میرا دل کیا کر رہا ہے۔ یہ بالکل ناممکن ہے اسلئے اس بات کے لئے کہ تم میں طہارت قلب پیدا ہو کر طہارت افعال پیدا ہو جاوے۔ تمہارا دل پاک ہو کر تمہارے اعمال کی پاکیزگی کا موجب ہو۔ تمہارے دل ایک ایک ایسی نگاہ کے ماتحت چاہئیں۔ جو ان باتوں کو پڑھ لے۔ جو تمہارے سینہ میں چھپی ہوئی ہیں۔ مَیں ایک اور بات کی طرف بھی تمہیں متوجہ کرتا ہوں۔ کیا سزا سے بچ جانا ہی بہت حد تک جرایم کے قیام اور جاری رہنے کا موجب نہیں۔ کیا پولیس کی نگاہ سے دُور رہنا۔ یا گوشۂ تنہائی یا اندھیرا ہی جرایم پیشہ کی بدعملیوں کے لئے تلاش نہیں کیا جاتا۔ یہ تو سچ ہے لیکن تم نے کیا علاج کیا ہے۔ کہ تم ہر ایک انسان کے افعال پر نگاہ حاضر و غائب رکھ سکو۔ نہیں یہ تم کر ہی نہیں سکتے۔ جب تک کہ تمہارا حاکم یا سرچشمۂ قوانین صفت حاضر ناظر نہ رکھتا ہو۔ پھر مَیں تم سے پوچھتا ہوں۔ کہ اگر جرایم کی کمی بہت حد تک اس بات پر منحصر ہے۔ کہ مجرم جرم کے بعد سزا سے بچ سکے تو کیا ہزاروں اور لاکھوں مجرم تمام عمر سزا سے نہیں بچ گئے۔ کیا تم سب کے

سب مجرموں کو قانون کے شکنجہ میں لا سکے ہو۔ نہیں صاحب تم یہ نہیں کر سکتے اور خاص اُن لوگوں کی سزا کا تم نے کیا علاج کیا ہے۔ جو جرم کرنے کے دن ہی اس دُنیا سے رخصت ہو گئے۔ لہٰذا اگر سزا ہی جرم کی روک سمجھی گئی ہے۔ تو تمہاری آئین بالکل نامکمل ہے۔ جب تک تم اُن مجرمین کی سزادہی کا انتظام نہ کر سکو۔ جو اس زندگی میں سزا سے بچ گئے +

لہٰذا کسی سوسائٹی کا آئین اور دستور یا طریق حکومت اُسی صُورت میں مکمل ہو سکتا ہے۔ جب یہ مان لیا جاوے۔ کہ اصل حاکم یا سرچشمہ قانون علاوہ اور صفات کاملہ کی صفت حاضر ناظر۔ صفت علم کل۔ صفت علیم بذات الصدور یعنی سینوں کے بھیدوں کے پڑھنے والی صفت سے بھی متصف ہے۔ اسی طرح سزا جرایم کے قطعی روک کا ذریعہ بنانے کے لئے یہ ہونا چاہیئے کہ ان اعمال کا کم از کم ابھی محاکمہ باقی ہے۔ جن پر محاکمہ اور سزا اس دُنیا میں مرتب نہیں ہوئے +

دوستو! تم ان ضروری عناصر کو اپنی اُن سات صداقتوں کے مفہوم میں اضافہ کر دو۔ اور تم نے اسلامی سات صداقتوں کو قبول کر لیا۔ یہ میری باتیں دعوےٰ ہی دعوےٰ ہونگی۔ اگر میں ان عربی فقرات کو آپ کے سامنے بانرجمہ نہ پڑھوں۔ جن میں یہ سات صداقتیں بطور ایمان دی گئی ہیں۔ ہم میں سے کوئی شخص کبھی اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ ان

سات صداقتوں پر ایمان نہ رکھتا ہو لیکن پیش ازیں کہ میں اُن فقرات کو پڑھوں اور ترجمہ کروں۔ میں پھر آپ کی سوسائٹی کے سات اصول گن جاتا ہوں۔ تا کہ تقابل میں آسانی ہو۔ اور وہ یہ ہیں:-

(۱) بادشاہ یا اس کے بمنزلہ کوئی وجود یعنی سرچشمۂ قانون جس کو میں آئندہ بادشاہ کہوں گا +

(۲) بادشاہ کی رضا یا منشا کے عمل میں لانے والے یعنی عمّالانِ قانون +

(۳) بادشاہ کی رضا یعنی قانون +

(۴) رعایا تک بادشاہ کی رضا کے پہنچانے والے یعنی پیغام رسانانِ قانون

(۵) قانون کی خلاف ورزی یا اُس پر عمل کرنے پر محاکمہ +

(۶) بدی اور نیکی کے رشتے بصورت علت و معلول +

(۷) ہمارا اپنے اعمال پر محاکمہ حاصل کرنے کے لئے جانا +

دیکھو یہی سات باتیں ذیل کی عبارت میں مسلمانوں کو تعلیم دی گئی ہیں جن کا نام صفت ایمان ہے +

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ

(۱) میں ایمان لایا ہوں اللہ پر جو سرچشمۂ شریعت ہے۔ جو حاضر و ناظر۔ علیم بذات الصدور اور جمیع صفات کاملہ کا خدا ہے +

(۲) مَیں اُسکی رضا کے عمال یعنی فرشتوں پر ایمان لایا +

(۳) مَیں اس کی کتابوں پر ایمان لایا۔ جن میں شریعت آئی +

(۴) مَیں ان رسولوں پر ایمان لایا۔ جن کے ذریعے شریعت آئی +

(۵) مَیں اُس دن پر ایمان آیا جب شریعت کے ماتحت مجھ پر محاکمہ ہوگا +

(۶) مَیں نیکی اور بدی کے اندازوں کو خدا کی طرف سے سمجھتا ہوں۔ یعنی وہ ان ٹل اور لاتبدیل ہیں +

(۷) مَیں اس زندگی کے بعد پھر محاکمہ حاصل کرنے کے لئے اُٹھونگا +

یہ سات اسلام کے اصول ہیں۔ جو ان کو قبول کرے۔ وہ مسلمان ہے لیکن صاحبو! بتلاؤ تو سہی تم عیسائی ہو یا مسلمان۔ تم خواہ اپنا نام کچھ رکھ لو۔ عملاً تم نے اسلام قبول کر لیا۔ کیونکہ تم قانون کو تسلیم کرتے ہو۔ اور قانون پر چلنے کی قابلیت کے بھی قایل ہو۔ تم نے اپنی سات صداقتوں کو اگرچہ محدود دائرہ میں ہی قبول کر لیا۔ ان ہی صداقتوں کے مفہوم کو ذرا وسیع کردو شریعت کو کامل شکل میں قبول کر لو۔ جو کتاب اسلام نے تمہیں دی۔ اور تم مسلم ہو۔ اور یہ وہ حالت ہے۔ جس کے قریب تم دن بدن آرہے ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہو۔ السلام علیٰ من اتبع الھدیٰ +

اس لیکچر کے خاتمہ پر حاضرین کی طرف سے لیکچرار صاحب پر حسب معمول

یورپ سوالات ہوئے۔ جس کا جواب انہوں نے اسی وقت دیا۔ بعض سوال وجواب کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں +

سوال ۔آپ اسلامی نقطہ خیال سے بہشت کی کیا تشریح کرتے ہیں؟

جواب ۔ہمیں خدا تعالیٰ نے مختلف قوتیں عطا کی ہیں۔ جن قوتوں کے نشوونما کے لئے ہمیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہدایت ملی۔ اس ہدایت کا نام قانون یا شریعت ہے۔ جس پر آج میں بحث کرتا رہا ہوں +

ہماری قوتیں لامحدود ہیں۔ اگر ہمارے روح کو بعد موت بھی بقا ہے۔ تو ہماری ودیعت شدہ قوتوں کا نشوونما بعد موت بھی جاری رہیگا۔ وہ ترقی جو ہم کو اس دنیا میں کرنی ہے جب وہ ہم میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ ہم کل قوانین الہٰیہ کی اطاعت کسی جبر واکراہ سے نہیں بلکہ نشاط قلب سے کریں۔ اور ہمارے کل قواء جوارح خدا کی اطاعت میں لگ جائیں۔ اس حالت کو قرآن نے نفس مطمئنہ سے تعبیر کیا ہے۔ اس کیفیت کے پیدا ہونے پر بہشتی زندگی اسی دنیا میں شروع ہوجاتی ہے۔ اور مرنے کے بعد اس زندگی کے اجر اور آیندہ ترقیات مختلف بہشتوں کے نام سے موسوم کی گئی ہیں۔ خلاصہ مطلب

یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کی دی ہوئی قوتیں جب اپنے کمال حقیقی کے حاصل کرنے کے لئے صراط المستقیم پر قایم ہو جاتی ہیں۔ تو انسان ایک بہشتی زندگی پا لیتا ہے؎

سوال - اگر ہماری قوتوں کی نشو و نما یافتہ حالت کا نام ہی بہشت ہے۔ تو پھر یہ جو قرآن میں حوروں کا ذکر آیا ہے۔ اس سے کیا مراد ہے؟

جواب - اس سوال کا جواب کسی قدر تمہید چاہتا ہے۔ اور جو کچھ مَیں نے پہلے سوال کے جواب میں کہا ہے۔ اس کو بھی مجھے ایک حد تک دُہرانا پڑیگا۔ سب سے پہلے مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ اسلامی بہشت جیسے کہ پادری لوگوں نے بیہاں ظاہر کر رکھا ہے۔ کوئی مادی بہشت نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بہشت کی تشریح میں قرآن نے دنیوی چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ لیکن ان تمام کے معنے کرنے میں ہمیں قرآن کریم کی بعض آیات اور آنحضرت صلعم کی بعض احادیث کو زیر نظر رکھنا ہوگا۔ مثلاً آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ بہشت کی چیزیں نہ تمہارے تصور میں آسکتی ہیں۔ نہ تمہارے محسوسات اُن کو احاطہ کر سکتے ہیں۔ لہذا حوران بہشت سے زمین کی خوبصورت عورتیں تو مراد ہو نہیں سکتیں۔

لیکن سوال یہ ہوگا۔ کہ پھر تشریح میں دنیا جہان کی چیزوں کا ذکر کیوں کیا جائے۔ اس امر کے لئے میں آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں جب آپ کو کسی ایسے شخص کے آگے کسی چیز کا ذکر کرنا ہو۔ جو اُس نے نہ دیکھی ہو۔ تو آپ کیا کیا کرتے ہیں۔ یہ آپ کے الفاظ دراصل آپ کے ذہنی خیالات کے نمائندہ ہوتے ہیں۔ اور آپ کے خیالات ان چیزوں کی ذہنی تصویر ہوتی ہے۔ جو آپ نے دنیا میں دیکھی ہوں۔ اب اگر ایک چیز ہندوستان میں ہو۔ اور انگلستان میں نہ ہو۔ تو اس چیز کے اظہار کے لئے کوئی لفظ انگریزی زبان میں نہیں ہو سکتا۔ اب اگر ہم ایسی چیز کا ذکر ہم کسی دوست سے کرنا چاہیں۔ تو مجبوراً ہمیں مثالوں اور استعاروں سے کام لینا پڑیگا۔ اب اگر بہشت میں ایسی چیزیں ہوں جو دنیا میں نہیں۔ تو پھر ان چیزوں کو بیان کرنے کے لئے قرآن مجبوراً ایسی چیزوں کا حوالہ دیگا جنہیں بہشتی چیزوں سے مماثلت یا مناسبت ہو۔ بہشتی زندگی کے متعلق میں نے ابھی کہا تھا کہ وہ زندگی ایک ترقیات کی جاری رہنے والی حالت ہے۔ یعنی کچھ ترقی تو ہم یہاں کر لیتے ہیں۔ اور کچھ ترقی بعض چیزوں کی امداد سے ہم آئندہ زندگی

ہیں کرینگے پیش ازیں کہ میں یہ جواب دوں۔ کہ حوروں
کا وہاں کیا کام ہے۔ میں آپ سے ایک آسان سوال پوچھتا
ہوں۔ کیا ہمارے سیرت اور اخلاق کے بنانے میں فرقہ نسوان
کو کوئی تعلق ہے یا نہیں۔ اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔
کہ عورت کی ذات مرد میں شریفانہ جوہر پیدا کرنے کے لئے ممد
و معاون ہے۔ ہر قسم کے تیز و کینہ ور جذبات عورت کے اثر
سے محبت و شفقت میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ فی الجملہ عورتوں
کی معیت ایک حیوان کو انسان بنا دیتی ہے۔ لیکن اُن کی
معیت اور مجلس کی مرد کو خواہش نہ ہوتی۔ اگر ان بیبیوں کو خدا
تعالیٰ زیور حسن سے آراستہ نہ کرتا۔ لہذا اگر اس دنیا میں بھی عورت
کی ذات ہمارے روحانی اور اخلاقی قواء کی نشو ونما اور ہماری
سیرت کی تکمیل کے لئے ایک خاص اثر رکھتی ہے۔ اور یہ اثر دوبالا
ہو جاتا ہے۔ اگر ہمارے صنف لطیف کے یہ ہم جلیس دلربا
چہرہ اور دلفریب انداز بھی رکھتے ہوں۔ تو پھر اگر آنے والی
زندگی میں بھی ہمیں اپنے قواء کی ترقی کو جاری رکھنا ہے۔ تو کیا
اسی قسم کی مجلس اور صحبت کی ہمیں آیندہ ضرورت نہیں۔ اگر
اس دنیا میں ایک دل کش چہرہ اور دلربا انداز ایک حیوان کو

انسان بنا سکتے ہیں۔ تو پھر آیندہ زندگی میں بھی کسی سیاہ چشم۔ لب لالبین حور کی ضرورت ہے جس کے ناز و انداز اور جس کی دلفریبیاں ایک انسان کو فرشتہ بنا دیں۔ رہا اس کی صحبت یا اُس سے ہم جلیس ہونا اس کے کیا معنی ہے۔ یا ان کا ہمارا تعلق کیا ہوگا۔ یہ امور حسب تعلیم قرآن و حدیث ہمارے وہم و گمان سے بالاتر ہیں +

دہریوں کیلئے ایک دلچسپ مطالعہ

(الف)

اس عنوان کے دو لیکچر ہمیں اصل شکل میں نہیں مل سکے۔ صرف اُن کا خلاصہ اسلامک ریویو میں ملتا ہے۔ لیکن یہ خلاصہ بھی گویا اصلی لیکچروں کا عطر ہے۔ اور لیکچرار کے مافی الضمیر کو کافی طور سے ظاہر کرتا ہے۔ اس لئے ہم اس خلاصہ کے ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ یہ دونوں لیکچر جون و جولائی سنہ ۱۹۱۴ء بہ سلسلہ لیکچر مسجد ووکنگ دئے گئے + مرتب

آؤ ہم اپنے نفس کا مطالعہ کریں۔ کیا ہمیں طرح طرح کے تقاضے اور

طرح طرح کے ضروریات لگی ہوئی نہیں۔ کیا ہم رات دن اپنی خواہشات
کے پورا کرنے کے لئے نہیں لگے رہتے۔ ہماری تو ساری زندگی ان ذرائع
کو بہم پہنچانے میں صرف ہو جاتی ہے۔ جن سے یہ طبعی ضروریات پوری ہوں
وہ جس کا نام ہم نے تہذیب و تمدن رکھا ہوا ہے۔ وہ بھی ہمارے ان تقاضوں
کی خواہشوں کو پورا کرنے کا نتیجہ ہے۔ جس کا نام ہم نے خوشی رکھا ہوا ہے۔ وہ
بھی تو ان خواہشوں کے پورا کرنے کا نام ہے مصیبت و تکلیف کیا ہے۔
کسی ضرورت کا پورا نہ ہونا۔ الغرض ضرورت اور دفع ضرورت تمام راحت
و رنج کے فلسفہ کو ختم کر دیتے ہیں۔ آؤ کائنات کا مطالعہ کریں ہمیں دو ہی
باتیں نظر آتی ہیں۔ ایک طرف ہم میں ضرورت دوسری طرف صحیفہ قدرت
میں اس ضرورت کے دفعیہ کے اسباب۔ ہم کان رکھتے ہیں۔ آنکھیں رکھتے
ہیں۔ آنکھیں خوشنما منظر اور کان دلکش آوازیں چاہتے ہیں۔ فن موسیقی
اور فن مصوری ان حوائج کو پورا کرنے کے لئے موجود ہیں۔ ہم اچھی اچھی
چیزیں کھانی اور پینی چاہتے ہیں۔ اور ہم نے کل دنیا جہان کو ان چیزوں
کے مہیا کرنے کے لئے چھان مارا ہے۔ ہم میں اور تقاضے بھی لگے ہوئے
ہیں جن کے پورا کرنے کیلئے کوئی دقیقہ نہیں چھوڑتے۔ ہم میں محبت
اور رحم اور فیاضی کے جذبات بھی ہیں۔ ان تقاضوں کے پورا کرنے کیلئے
خواہ کچھ ہی ہو ہم محل اور موقع پیدا کر لیتے ہیں۔ اسی طرح کیا ہم میں کسی چیز

کی تعریف کرنے کسی چیز سے خوش ہو جانے۔کسی کی شکر گذاری کرنے کی توفیق نہیں
کیا ہم جب یہ جذبات اپنے سینوں میں مشتعل پاتے ہیں تو انکو اظہار نہیں کرتے۔اب
مقام غور ہے۔کہ وہ کونسی چیزیں ہیں۔کہ جن سے یہ جذبات یعنی جذبہ شکر
گزاری اور جذبہ تعریف وثنا ہمارے اندر جوشزن ہوتا ہے۔خوب غور
سے دیکھو تو **حسن** اور **احسان** ہی دو امور ہیں۔جو مدح وشکر گزاری کے
محرک ہوتے ہیں۔اور ان ہی دو چیزوں سے انسانی خوشی کی تکمیل ہو جاتی
ہے۔ایک سنگدل اور بے رحم انسان بھی خواہ ظاہر کچھ نہ کہے۔لیکن
دل میں حسن واحسان کو دیکھ کر شکر گزاری و مدح وثنا کی ایک لہر موجزن
پاتا ہے۔اگر ہم ہر قسم کی ضروریات پر ایک تبصرہ کریں۔تو ہمیں یہ سمجھ آجائیگی
کہ ہماری تمام احتیاجات اور خواہشات کے دفعیہ کا سرچشمہ حسن واحسان
ہی ہے۔یعنی ہماری ضروریات کا دفعیہ یا تو کسی ایسے وجود سے ہوتا ہے۔
جس میں کوئی خوبی ہے۔اور اس خوبی (حسن کے کسی شعبہ سے متمتع ہونا
چاہتے ہیں۔یا ہماری ضروریات کا دفعیہ کسی کے احسان سے وابستہ ہے
لہذا ہم آٹھوں پہر حسن واحسان کی تلاش میں لگے رہتے ہیں۔جب ہمیں
یہ میسر آجاتے ہیں۔تو ان کے مقابل ہم شکر گزاری اور مدح سرائی کرتے
ہیں۔حسن کے مقابل مدح وثنا اور احسان کے مقابل شکر گزاری لیکن
بعض وقت حسن واحسان ہم کو بے جان چیزوں میں بھی نظر آتا ہے

تو پھر کیا اس حسن و احسان کی شکر گزاری یا تعریف کے لئے اس بے جان چیز کو مخاطب کرتے ہیں۔ ایسا کرنا ایک فعل نادانی ہوگا۔ مثلاً کسی تصویر کی خوب صورتی ہمیں ایک قسم کی مسرت اور خوشی دیتی ہے۔ تو کیا ہم اس تصویر کو مخاطب کر کے اُسکی تعریف کریں۔ یا اُس کے شکر گزار ہوں نہیں ایسے وقت ہم اس شکر گزاری اور تعریف کے لئے اس کو دیکھتے ہیں جس نے یہ تصویر کھینچی ہو۔ یا ہمیں دی ہو۔ کیا ہمارے چاروں طرف کائنات کے منظر ہمارے لئے موجب مسرت نہیں۔ ایک ادنیٰ سے ادنیٰ کائنات کی چیز اُٹھا لو۔ پھر کیا وہ اپنے اندر حسن و احسان نہیں رکھتی کیا صحیفۂ قدرت کی دلچسپیاں آٹھوں پہر ہمارے اندر مدح کو تعریف کو پیدا نہیں کر دیتیں؟ پھر ان دل چسپیوں سے محظوظ ہو کر ہمارا دل شکریہ سے موجزن ہو۔ تو کیا یہ ایک غیر طبعی امر ہوگا لیکن جیسے کہ میں نے ابھی کہا ہے۔ اظہار شکر و تعریف کے لئے ہم بے جان چیزوں کو مخاطب نہیں کرتے ہم اُسی کے مشکور ہوتے ہیں۔ جو ذی عقل ہو۔ اسی صورت میں یہ ہر روز کے سامان خوشی جو نیچر ہمارے چاروں طرف مہیا کر رہی ہے۔ اور حسن اور احسان سے ہمیں مرہون منت کر رہی ہے۔ اس کے لئے ہم کس کی تعریف کریں۔ اور کس سے شکر گزار ہوں۔ اگر تشکر و امتنان ایک طبعی فعل ہے۔ تو پھر اس وجود کا تلاش کرنا بھی ایک طبعی فعل ہے۔ جس کے لئے یہ تشکر و امتنان

ہم محسوس کریں۔کیا ہم اس بے جان مادہ کی تعریف کیا کریں۔ اور اس کے شکر گزار ہوا کریں۔اگر ہم ایسا کریں۔تو ہم فطرت کے خلاف کریں گے۔ہم تو ایک ذی روح ذی عقل کو دیکھنا چاہتے ہیں۔جو ہماری تعریف اور تشکر کو لے سکے۔یہ ایک طبعی خواہش ہم میں بھی ہے۔ہماری فطرت اظہار تشکر یہ کے لئے اس ذی حیات۔ذی عقل محسن کی تلاش ہیں رہتی ہے۔جس کے ذریعے ہمیں راحت یا فائدہ پہنچا ہے۔حضرت محمد صلعم پر خدا کی برکتیں ہوں۔جس پر فطرت انسانی کے یہ رموز ظاہر ہوئے۔اس انسانی فطرت کو زیر بحث رکھ کر کلام الٰہی شروع ہوتا ہے۔وہ اس حسن واحسان کی طرف اشارہ کر کے جو کائنات کے ذرہ ذرہ میں نظر آرہا ہے۔ہمارے جذبہ تعریف وتشکر کو اپیل کرتا ہے۔جس کا اظہار ضرور کوئی الفاظ چاہتا ہے۔اور یہ اظہار اسی کے حق میں ہوگا۔جو اصل منبع وسرچشمہ اس حسن واحسان کا ہے۔یعنی الحمد للہ رب العالمین ساری تعریفوں وساری شکر گزاریوں کا مستحق وہ **اللہ** ہے۔جو تمام کائنات کو جس کے ساتھ ہماری احتیاج وہماری راحتیں وابستہ ہیں۔پیدا کرتا ہے۔انہیں قایم رکھتا ہے۔ان کی پرورش کرتا ہے۔اور ان کو تا بحد کمال پہنچاتا ہے۔

دہریوں کیلئے ایک دلچسپ مطالعہ

(ب)

فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا ذالک الدین القیم ۳۰/۲۹

مضبوط دین وہی فطرت ہے جس پر انسان کو اللہ تعالےٰ نے پیدا کیا

صحیفہ قدرت میں ایک بات بڑی عجیب نظر آتی ہے۔کہ جس کے دیکھنے

دراصل سیکھنے والے کو اُسی وقت کِسی کی تعلیم سمجھ آتی ہے۔جب سِکھلانے والا اپنی تعلیم کو عملی جامہ پہنا دے۔ ہمیں اتنے الفاظ نہیں سمجھ آتے۔ جتنا کسی کا فعل اس کے الفاظ کی تشریح کردیتا ہے اور اگر یہ امر نہ ہو تو پھر کسی انسان کے ذریعے خدا کا کتابوں کو نازل کرنا ایک بیہودہ ...فعل ہے۔ بارش جس طرح آسمان سے آتی ہے اسی طرح خدا تعالےٰ کتابیں بھی پھینک سکتا تھا۔ لیکن کتاب بغیر پیغمبر کے ایک مُردہ چیز ہے۔ نبی کے اپنے افعال و اعمال ہی خدا کے الہام کی ایک زندہ تشریح ہوتے ہیں۔ لیکن ایک نبی تو انہی لوگوں کو اپنے فعل سے سمجھا سکتا ہے۔ جو اس کے وقت اس کے پاس موجود ہوں۔ اور جب اس پر دو تین نسلیں گذر جاویں اور اُس کے دیکھنے والے یا اُس کو دیکھنے والوں کے دیکھنے والے نہ رہیں۔ تو پھر آنے والوں کے لیئے اس کا نمونہ قائم نہیں رہ سکتا۔ اگر اس کے افعال و اقوال تحریر میں محفُوظ نہ ہو جاویں۔ ایک سابق نبی ہمارے لیئے نبی ہو ہی کیسے سکتا ہے۔ اگر اس کی باتیں ہم تک محفوظ نہ پہُونچیں۔ جاؤ! کل دُنیا کے انبیاؤں کو دیکھو یہ بات اگر حاصل ہے تو صرف ایک محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو آپؐ کے سوائے کِسی نبی کے حالات محفوظ نہیں۔ حضرت

محمدؐ ہی انبیاء علیہ السّلام میں سے ایک تاریخی انسان ہیں انبیاء میں ہی نہیں۔ بلکہ کل مشاہیر دُنیا میں +

جولیس سیزر، سکندر اعظم اور نپولین ہی تین ایسے مشاہیر گذرے ہیں جو سب سے زیادہ تاریخی انسان ہیں لیکن یہ تینوں بھی محمدؐ عربی کے سامنے ہیچ ہیں۔ آپ کی زندگی کا ہر ایک پہلو ہمارے سامنے روشن و بین موجود ہے۔ بالمقابل مسیح۔ موسےٰ یا دیگر انبیاء علیہ السّلام کی زندگیاں ایک قسم کی سربستگی کے بادل کے تلے ہیں۔ محمدؐ آفتاب نصف النّہار کی طرح اپنے تمام جلال و جمال سے افق دُنیا پر چمکتا ہوُا نظر آتا ہے۔ قرآن کی کوئی آیت لیلو اس کتاب مقدّس کا کوئی حکم۔ کوئی امر و نہی لیلو۔ اور تمھیں آنحضرت صلعم کی زندگی میں ان سب کی عملی تفسیر ملیگی اور وُہ بھی کتابوں میں محفوظ ہے۔ بالمقابل انسانی زندگی کا کوئی شعبہ تصور میں لے آؤ۔ تمھیں اس کا ایک نہ ایک نمونہ یا اسوہ آپکی زندگی میں نظر آجاویگا اور یہ سب باتیں احادیث میں موجود ہیں۔ مجھے یہ سمجھ نہیں آتی کہ جناب مسیح کسطرح نسل انسانی کے لیئے ہادی بن سکتے ہیں۔ یا اُنکی زندگی ہمارے لیئے کس طرح نمونہ ہو سکتی ہے۔ جب ہمیں اُن کی زندگی کا کوئی علم ہی نہیں۔ انجیل کو ہاتھ میں لیلو اور جو کچھ اِن کتابوں میں جناب مسیح کی پیدائش پیشگوئیوں معجزات کے متعلق لکھا ہے۔ ان حالات کو نکال دو۔ اور یہ وہ باتیں ہیں جنکا ہماری روزانہ زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ تو پھر انجیل میں جو کچھ رہ جاتا ہے وہ شاید دو یا تین صفحوں

دراصل سائنس بھی تو اسی قاعدہ ترتیب یا نظام کے دریافت کرنے کا نام ہے
مگر قانون کا وجود علم و ادراک کے وجود کو چاہتا ہے۔ قانون ہی مادہ پر مقدم
ہے۔ یعنی مادہ سے پہلے پیدا شدہ معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ
قانون کسی ایسے سرچشمہ سے نکلا ہے۔ جو صاحب تدبیر و ارادہ ہو۔ اگر تو قانون
پر مادہ مقدم ہے۔ تو یہ سمجھ آسکتی ہے۔ کہ مادہ کی مختلف اجزا کی باہمی مناسبت
سے قانون پیدا ہوا۔ لیکن اگر مادہ کے ہر ذرہ پر قانون حکمران ہے اور مادہ
اس کی اطاعت کرتا ہے۔ تو یہ ماننا پڑیگا۔ کہ مادہ کی ارتقا کے لئے
حرکت کرنے سے پہلے قانون موجود تھا۔ اور اگر قانون ہے۔ تو پھر قانون
بنانیوالا کوئی ذی عقل ذی ارادہ وجود ہونا چاہئے۔ مادہ میں بذات خود نہ ارادہ
ہے نہ عقل ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ مادہ سے خارج کوئی ان طاقتوں کا مالک
وجود ہو اس موقعہ پر میں چند فقرات ہندوستان کے ایک عظیم الشان عالم کی زبانی
یعنی عالی حضرت جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی کتاب "ٹیچنگز آف
اسلام" سے اقتباس کرتا ہوں جس میں آپ نے نہایت عمدہ پیرایہ میں خدا کی
ہستی کا ثبوت دیا +

"اگر اندر کار پردہ کوئی مدبر نہ ہو تو یہ تمام سلسلہ درہم برہم ہو جائے یہ دلیل ہیئت پر غور کرنیوالوں
کیلئے نہایت فائدہ بخش ہے کیونکہ اجرام فلکی کے اتنے بڑے عظیم الشان اور بیشمار گولے ہیں جنکو
تھوڑے سے بگاڑ سے تمام دنیا تباہ ہو سکتی ہے یہ کیسی قدرت حق ہے کہ وہ آپس میں نہ ٹکراتے ہیں
نہ بال بھر رفتار بدلتے اور نہ اتنی مدت تک کام دینے سے کچھ گھسے اور انکی کلوں پرزوں میں کچھ فرق آیا
اگر سر پر کوئی محافظ نہیں تو کیونکر اتنا بڑا کارخانہ بیشمار برسوں سے خود بخود چل رہا ہے انہیں
حکمتوں کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ دوسرے مقام میں فرماتا ہے افی اللہ شک فاطر السموات
والارض یعنی کیا خدا کے وجود میں شک ہو سکتا ہے جس نے ایسے آسمان اور ایسی زمین بنائی +

نکات القرآن

حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے۔ایل ایل بی

کے وجود باجود سے علمی ومذہبی دنیا بخوبی واقف ہے۔آپ نے حال ہی میں قرآن کریم کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے جو لنڈن میں چھپا ہے اردو داں پبلک بالخصوص مسلمان احباب کو مبارک ہو۔آپ نے قرآن کریم کے تفسیری نوٹوں کو اردو میں بھی شائع کرنا شروع کر دیا ہے جس کے پانچ حصے شائع ہو چکے ہیں پہلے حصہ میں صرف پارہ اول کے نوٹ ہیں اور دوسرے میں جو نکات القرآن کے نام سے شائع ہوا ہے۔سورہ بقرہ ختم کر دی گئی ہے۔

قرآن کریم کے تفسیری نوٹ :۔ حصہ اول (۶ر) نکات القرآن حصہ دوم (۶ر) حصہ سوم (۸ر) حصہ چہارم (۸ر)

نوٹ: نکات القرآن مسلسل شائع ہوتے رہیں گے مستقل خریدار اپنا نام مستقل طور سے درج رجسٹر فرماویں تاکہ جب کبھی کوئی نیا حصہ اسی سلسلہ میں شائع ہو تو انکی خدمت میں ارسال کر دیا جاوے

المشتہر

مینجر رسالہ اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس عزیز منزل۔ نولکھا لاہور

تصنیفات حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مشنری

براہین بیزہ حصہ اول المعروف بہ قرآن آیات خاتم۔ ناطق اور عالمگیر الہام ہے۔ اردو۔ قیمت ۱۲/۱

ام الالسنہ یعنی عربی جس بین کل زبانوں کی ماں ہے اردو قیمت ۱۲/۱

اسوۂ حسنہ۔ الموسوم بہ زندہ اور کامل نبی اردو ۸/

احادیث نبوی کا۔ اقتباس انگریزی ۳/

مسلم پریئر انگریزی ۴/

صحیفہ آصفیہ تبلیغ بہ حضور نظام حیدر آباد دکن اردو۔ قیمت ۲/

بنگال کی دلجوئی۔ انگریزی و اردو قیمت فی کتاب ۱/

مسلم مشنری کے ولایتی لیکچروں کا سلسلہ اردو ۱/

اور تین عدد انگریزی ۳/

مسلم انڈیا اور گورنمنٹ انگریزی سے گذارش اور نار اردو قیمت فی کتاب ۱/

اسلامک ریویو مسلم انڈیا کی جلدیں ۱۹۱۳ء انگریزی قیمت فی جلد ۱۹۱۵ء سے جلد ۱۹۱۶ء

رسالہ اشاعت اسلام اردو ترجمہ اسلامک ریویو کے سابقہ پرچے جولائی ۱۹۱۳ء لغایت دسمبر ۱۹۱۴ء عمر/

دیگر مختلف تصنیفات

قرآن کریم کے تفسیری نوٹ۔ پارہ اول مرتبہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے اردو ۶/

نکات القرآن حصہ دوم ۶/ حصہ سوم ۸/ حصہ چہارم ۱/

عصمت انبیا ۶/ غلامی

ویسٹرن اویکنگ ٹو اسلام مصنفہ جناب لارڈ ہیڈلے صاحب بالقابہ انگریزی ۱۲/

التوحید جس میں لا الہ الا اللہ کی مختصر تفسیر مصنفہ جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب ایل ایم ایس ۱/

فرق فلاح جس میں بت پرستی کی بنیاد اور اس سے بچنے کی آسان راہ مصنفہ جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب ایل۔ ایم۔ ایس ۱/

[illegible]

مصنفہ جناب شیخ حسین صاحب قدوائی بیرسٹر ایٹ لا انگریزی ۱۲/

اسلام اینڈ سوشلزم ۱۲/

پیغام صلح انگریزی و اردو فی رسالہ ۱/

النبوۃ فی الاسلام۔ نبوت کی اصل غرض و غایت مصنفہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے ۱۲/

حدوث مادہ ۴/

جلد اول ۱۹۱۴ء رسالہ اشاعت اسلام ۸/

پتہ: خواجہ عبدالغنی مینیجر اشاعت اسلام بک ڈپو عزیز منزل احمدیہ بلڈنگس نولکھا۔ لاہور

نوٹ۔ نمبر ۱ اور ۲ و ۳ و ۴۔ ناظرین کرام ان کتب کو اپنے حلقہ اثر میں اور غیر مسلم احباب میں مفت تقسیم فرما کر ثواب دارین حاصل کریں